قسم الترجمة:5

قرآن مجید درحقیقت کلام الٰہی ہے

(مجموع فتاوی شیخ الاسلام: ١٢-٣٦) ترجمہ: عبدالوہاب خان

عقلی قیاس کے حامل متکلمین:

ان کے بعد صفات الٰہی پر کسی حد تک یقین رکھنے والے متکلمین کا دور آیا، جنہوں نے اس نظریے کی حمایت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم، قدرت، بصر اور حیات کی صفات ہیں۔ انہوں نے یہ ایسے عقلی قیاسوں کے ذریعے مان لیے جو فرامین نبویہ کے مطابق ہیں۔

انہوں نے مادی اشیاء (جواہر) کی صفات اور رب العالمین کی صفات میں فرق کرتے ہوئے مادی اشیاء کی صفات کو اعراض (غیر مادی اشیاء) قرار دیا، کیونکہ اعراض کے لئے ہمیشگی اور دوام نہیں۔ جبکہ صفات الٰہی ازلی وابدی ہیں، جو کہ مادی اجسام کی صفتوں کی ہم جنس نہیں۔

قیاس کے ذریعے بعض صفات الٰہیہ تسلیم کرنے والے اہل کلام نے معطلہ اور صابئہ گروہوں کے اہل بدعت سے بہت سارے امور میں اختلاف کیا اور انہوں نے قیاس ہی کے ذریعے سات صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام کو تسلیم کرلیا۔ اگرچہ ان کے مابین سمع، بصر اور کلام سے متعلق اختلاف ہے کہ یہ عقل سے ثابت شدہ صفات ہیں یا شرعی نصوص سے ثابت ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں صفت **بقاء، قدامت اور ادراک** (قوت شامہ، ذائقہ اور لامسہ) کے علاوہ بعض قرآنی صفات **وجــه** (چہرہ یا ذات) اور **یــد** (ہاتھ) میں بھی اختلاف ہے۔ ان کے متقدمین انہیں تسلیم کرتے ہیں، لیکن متأخرین نہیں مانتے۔ اور جو صفات قرآن کے بجائے صرف حدیث میں وارد ہوئی ہیں، انہیں ان کی اکثریت تسلیم نہیں کرتی۔ ان میں سے بعض اپنے قیاس کی خاطر ان نصوص میں تاویل کرتے ہیں اور بعض تفویض میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔

کلام الٰہی سے متعلق ایسے متکلمین کے نظریات:

اللہ پاک کا جو پیغام اور کلام رسولوں کے ذریعے پہنچا، اس کے بارے میں ان متکلمین اور حاملین وراثت نبویہ (علماء) میں بہت سارے نقاط میں اتفاق ہے، کیونکہ ان متکلمین نے خالق اور اس کے اسماء وصفات سے متعلق صابی مذہب کا طریقہ اختیار کیا، پس ان کے مذہب میں دو مختلف وراثتیں اکٹھی ہوگئیں اور انہوں نے وراثتِ نبوت کے حق کو وراثتِ صابئہ کے

باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا، جس طرح خالص بدعتی اہل کلام یعنی معتزلہ نے قدیم فلسفہ اور صابی نظریات کو جوڑ دیا تھا۔

اس بنا پر قیاسی متکلمین معتزلہ کے مقابلے میں آثار نبوت کی زیادہ پیروی کرتے ہیں اور وہ مختلف پہلوؤں سے اہل بدعت کے مقابلے میں اہل سنت کے زیادہ قریب ہیں۔ اس قربت کی وجہ سے بعض فقہاءؒ و محدثینؒ اور بہت سے اہل تصوف نے ان کی گھڑی ہوئی بعض بدعتوں میں بھی ان سے اتفاق کیا ہے، اس اتفاق کی وجوہات یہ ہیں:

۱۔ ان اہل کلام سے بہت سارے معاملات میں حق بات اور آثار نبوت کا ظہور۔

۲۔ انہوں نے وراثت نبویہ کو عقلی قیاس آرائیوں اور صابئہ کے آثار سے اور کچھ اپنے خود ساختہ بدعتوں سے خلط ملط کر کے ایسے شکوک و شبہات ابھارے، جس سے متاثر ہو کر لوگ یہ تصور کرنے لگے کہ آثار نبوت کی پیروی اس صورت کے بغیر ممکن نہیں۔

۳۔ قیاس عقلی کے حامل متکلمین کی طرف سے اٹھائے گئے شبہات کو یہ صوفی اور (نام نہاد) فقہاء و محدثین دلائل نبویہ کے ذریعے دور کرنے سے قاصر رہے اور وہ ہدایت کا راستہ واضح نہ کر سکے۔

۴۔ علم سنت سے منسوب افراد اور راویوں کی کوتاہی۔ کبھی وہ ایسی چیزیں روایت کر لیتے، جن کی صحت کا انہیں علم نہ ہوتا اور کبھی وہ قرآن کے فہم و تدبر سے عاری ہوتے۔ کتاب و سنت کے علم میں رسوخ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ نصوص شرعیہ کے بیان کردہ حقائق سے منہ موڑے رہے۔

اس منہج کے بل بوتے پر ان لوگوں نے تسلیم کر لیا کہ قرآن مخلوق نہیں۔ یہ حقیقت شرعی نصوص اور اجماع سلف صالحین کے مطابق ہے۔ اور ان لوگوں نے اس نظریے کو اپنے قائم کردہ اصولوں کے بھی مطابق پایا اور انہوں نے نصوص شرعیہ اور قیاس عقلی کے مابین تطبیق کی صرف یہی صورت دیکھی کہ قرآن کو دیگر صفات کی طرح ذات الٰہی پر قائم معنی قرار دیا جائے۔

پھر انہوں نے طے کر لیا کہ کلام الٰہی کی صفت متعدد معانی کے طور پر ہونا ممکن نہیں۔ ان میں سے بعض ایک ہی معنی قرار دیتے ہیں اور بعض چار۔ لیکن سب نے اس بات کو لازمی سمجھا کہ کلام کی حقیقت وہی معنی ہے جو ذات الٰہی میں قائم ہے اور حروف و اصوات کلام کی حقیقت نہیں، بلکہ یہ کلام پر دلالت کرنے والی چیزیں ہیں۔ اس دلالت کی وجہ سے حروف و آواز کو کلام کہا جاتا ہے، جو کہ ایک گروہ کے نزدیک مجاز ہے، دوسرا گروہ اسے حقیقتِ مشترکہ قرار دیتا ہے۔ تیسرا گروہ اسے کلام الٰہی میں مجاز اور دیگر کلاموں میں حقیقت کہتا ہے۔